ایک جلیل القدر ماں

شاہ بلیغ الدین

ریشمی کپڑوں کے تھان کے تھان آگے پڑے تھے۔ ایک سے ایک خوبصورت' ایک سے ایک نفیس کپڑا سامنے رکھا تھا۔ عراق میں اس سے بہتر کپڑا نہ مل سکتا تھا' عراق سے بہتر کپڑا عرب میں کسی اور جگہ نہ ملتا تھا۔ شاہانِ کسریٰ کا پایہ تخت مدائن عراق ہی میں تھا' عراق عجم میں۔ اس لیے چین سے' مصر سے' بھارت اور قسطنطنیہ سے' ایک سے ایک اچھا کپڑا عراق کے بازاروں میں آتا تھا۔ اس بازار کے نفیس ترین کپڑے خرید کر بیٹا اپنی ماں کے لیے لے آیا۔ ماں کون ؟ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ' حضرت زبیر بن عوامؓ کی شریکِ حیات۔

روپے پیسے کی افراط تھی۔ کنیزوں اور غلاموں کا پرے کا پرا گھر میں موجود تھا۔ ڈھیر سارے کپڑے ماں کے سامنے پڑے تھے۔ بیٹے کی طلبی ہوئی۔ بیٹے منذر بن زبیرؓ حاضر ہوئے۔ یہ عبد اللہ بن زبیرؓ سے چھوٹے تھے۔ حضرت اسماءؓ نے پوچھا' یہ کیا ہے ؟ بیٹے نے کہا' اماں' یہ آپ کے لیے ہیں۔ ماں نے ایک ایک کپڑا ہاتھ میں لیا' کپڑوں کی قیمت اور نفاست کا اندازہ لگایا' ان کی خوبیاں معلوم کیں۔ ایک ایک کر کے سارے کپڑے اللہ کی راہ میں دے دیے۔ ایک بھی کپڑا' کپڑے کا ایک ٹکڑا بھی اپنے پاس نہ رکھا۔

فرمانبردار بیٹا سامنے کھڑا دیکھتا رہا۔ وقت کا بہترین کپڑا ماں نے غریبوں میں تقسیم کر دیا۔ ماں کے چہرے پر خفگی کے آثار تھے۔ برہمی کا اظہار الفاظ سے بھی ہوا۔ منذر الٹے پاؤں گئے' مدینے کے بازار سے کچھ موٹا جھوٹا کپڑا لے آئے' اور ماں کے سامنے رکھا۔ یہ کپڑا ایسا تھا کہ محتاج غریب پہنا کرتے تھے۔ ماں نے بڑی خوشی سے یہ تحفہ اپنے لیے قبول کر لیا۔ بیٹے کو دعائیں دیں۔ طبقات ابنِ سعد میں ہے' بیٹے سے کہا' مجھے ایسے ہی کپڑے پہنایا کرو۔

ایک بار حضرت اسماءؓ نے اپنی کچھ زمین فروخت کی۔ ایک لاکھ درم میں یہ زمین فروخت

ہوئی۔ رقم آئی تو سب کی سب خدا کی راہ میں بانٹ دی۔ ابن سعد ہی نے لکھا ہے کہ شہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ' جہاں تک ممکن ہو سکے تھیلی کا منہ باندھ کر نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہیں باندھ کر دے گا! حضرت اسماءؓ اسی لیے کثرت سے خیرات کرتی تھیں۔ مال و دولت' جاہ و ثروت کی کوئی کمی نہ تھی' لیکن زندگی نہایت سادہ تھی۔ جس گھر سے بیسیوں لوگ پلتے تھے' اس کی مالکن کا یہ حال تھا کہ سوکھی روٹی کھاتی تھیں اور صبح و شام پانی پی کر اللہ کا شکر ادا کرتی تھیں۔ لوگ پوچھتے' اللہ نے اتنی فراغت دے رکھی ہے' اچھے سے اچھا کھائیے' بہتر سے بہتر پہنئے۔ آپ رکتی کیوں ہیں؟ جواب دیتیں کہ' خود اپنے آرام پر خرچ کرنے سے کہیں اچھا مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں دوسروں پر خرچ کروں' رشتہ داروں میں غریب نادار بھی ہیں' پڑوسیوں میں مفلس اور محتاج بھی ہیں۔ اپنی جان کو کیا دیکھوں' اللہ تعالیٰ نے تو ان سے حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔ کوئی زیادہ مجبور کرتا تو کہتیں کہ' یہ دولت تو چار دن کی ہے۔ اسلام کی سادگی وہ دولت ہے جسے میں کبھی ہاتھ سے جانے نہ دوں گی۔

نظر میں شہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تھی۔ کیا کچھ میسر نہ تھا۔ دس لاکھ مربع میل کے رقبے پر حکومت تھی' لیکن کملی والا تو ہمیشہ کملی والا ہی رہا۔ سنتِ نبویؐ پر چلنے کی ایسی شدید تڑپ دل میں تھی کہ اور کسی بات سے خوشی ہوتی ہی نہ تھی۔

حضرت اسماءؓ حضرت عائشہؓ سے دس برس بڑی تھیں۔ حضرت عائشہؓ سوتیلی بہن تھیں۔ حضرت اسماءؓ اس وقت مسلمان ہوئیں جب صرف سترہ آدمی ایمان لے آئے تھے۔ خود گھر میں یہ حال تھا کہ ماں بھی مشرکہ تھیں۔ بہت زمانے تک مشرک رہیں۔ لیکن بیٹی کا دل خدا نے آئینہ بنایا تھا۔ باپ کو جو والہانہ عقیدت حضور اکرمؐ کی ذات گرامی سے تھی وہی بیٹی کے حصے میں بھی آئی تھی۔

ہجرت کے بعد ایک بار ماں' قتلہ یا قتیلہ' بیٹی کے پاس آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے علاحدگی اختیار کر لی تھی کیونکہ انھوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا۔ ماں کو بیٹی نے گھر میں آرام سے بٹھایا۔ ماں اپنے ساتھ بیٹی کے لیے منقہ' گھی اور چھال کے تحفے بھی لے آئی تھیں۔ سب کو ایک جگہ رکھا' فوراً اندر گئیں' اور ایک کنیز کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو کہ اس موقع پر میں کیا کروں؟ ماں کی محبت بیٹی کے دل میں انگڑائیاں لے رہی تھی۔ آسودگی تھی' فراغت تھی' برسوں بعد ماں سے ملنا نصیب ہوا تھا۔ جی چاہتا تھا ہر ممکن خدمت کریں' بہتر سے بہتر سلوک کریں۔ لیکن ایک محبت اس سے بھی زیادہ

تھی جو اس سعادت مندی کے دھارے کو اور خون کے جوش کو روکے ہوئے تھی۔ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت تھی! اس وقت ذہن میں صرف یہ کشمکش تھی کہ ماں مشرک ہے' پتا نہیں اللہ پاک ان کی خدمت کی اجازت دیتا بھی ہے یا نہیں۔ کاش یہ اجازت مل جائے تو اپنی ماں کے لیے دل چیر کر رکھ دوں!

حضرت عائشہؓ کے پاس سے کنیز لوٹی۔ پیام لے آئی۔ بخاری کی روایت ہے۔ حضور اکرمؐ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کا مطلب کچھ یوں تھا: ماں کے تحفے قبول کر لو۔ انھیں اپنے گھر مہمان رکھو۔ ماں کافر بھی ہو تو ماں کا احترام ملحوظ رکھو۔ ماں باپ کی خدمت نیکی ہی نیکی ہے۔ کسی صورت میں بھی ان سے لاپروائی نہ برتو۔ سورہ ممتحنہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اللہ تم کو ان ہی لوگوں سے دوستی کرنے کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑیں۔

حضرت اسماءؓ نے اپنی ماں کو مہمان رکھا' شب و روز ان کی خدمت کی' اور جب وہ جانے لگیں تو بہت کچھ ان کے ساتھ کیا۔ یہ ماں کی محبت کا بھی ثبوت تھا اور اللہ و رسولؐ کی محبت کا ثبوت بھی!

حضرت اسماءؓ ذات النطاقین کہلاتی تھیں کیونکہ ان کے کمر کے پٹکے سے' جسے انھوں نے بیچ میں سے پھاڑ دیا تھا' مدینے کو ہجرت کرنے والے مہاجر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیق دمِ ہجرت صدیق اکبرؓ کا توشہ اور مشکیزہ باندھا گیا تھا۔ نطاق کمر کے پٹکے ہی کو کہتے ہیں۔ ان کی پرہیزگاری کے بھی دور دور چرچے تھے اور فیاضی کی بھی بڑی شہرت تھی۔ حضرت عمرؓ نے ایک ہزار دینار سالانہ کا وظیفہ مقرر کیا تھا۔ بیٹے جو کچھ دیتے تھے ان کے ساتھ یہ بھی اللہ کی راہ میں خرچ ہو جاتا تھا۔

اونچا پورا قد' بھاری بھرکم جسم' آنکھوں سے بالکل سُجھائی نہیں دیتا تھا' لیکن حیرت کی بات تھی کہ آخر وقت تک حضرت اسماءؓ کے دانت سلامت تھے۔ چہرے کی جھریاں اور بالوں کی سفیدی کہے دیتی تھی کہ تین نسلیں ان کے سامنے بوڑھی ہو چکی تھیں۔ حضرت اسماءؓ ہجرت سے ستائیس سال پہلے پیدا ہوئیں اور بنی امیہ کے پانچویں حکمران عبدالملک بن مروان کے زمانہ حکومت تک زندہ رہیں۔ اس وقت ہجرت کو ۷۳ برس گزر چکے تھے اور یہ محترم خاتون پورے سو برس کی ہو چکی تھیں۔

حضرت اسماءؓ بڑی فرمانبردار بیٹی تھیں۔ یہی رنگ تھا جو ان کی اولاد پر بھی چڑھا ہوا تھا۔ اولاد کی ایسی عمدہ تربیت انھوں نے کی تھی کہ بہت کم مائیں اس کی برابری کر سکتی ہیں۔ اس تعلق

سے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی شہادت کا واقعہ تاریخ میں یادگار ہے۔

اس زمانے میں اسلامی مملکت کے دو خلیفہ تھے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اور عبد الملک بن مروان۔ ایک میان میں دو تلواریں کبھی نہیں سماتیں۔ دو بادشاہ بھی ایک مملکت پر حکمرانی نہیں کر سکتے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اور عبد الملک بن مروان میں ٹھن گئی۔ دونوں چاہتے تھے کہ دوسرا باقی نہ رہے۔

عبد الملک نے اپنی شامی فوجیں مکہ بھیجیں جو حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی حکومت کا صدر مقام تھا۔ یہ ۷۳ ہجری کی بات ہے۔ حرم کعبہ کے اطراف فوجیں پڑاؤ ڈالے ہوئی تھیں۔

کئی دن سے لڑائی ہو رہی تھی۔ آفت کا مرحلہ تھا' قیامت کا سماں! ہر ایک مرحلے سے ابن زبیرؓ مردانہ وار گزر رہے تھے۔ ایک ایک کر کے ساتھی ٹوٹتے جا رہے تھے' رفیق چھوٹتے جا رہے تھے' لیکن شجاعت کا یہ منہ بولتا پیکر سات مہینوں سے حجاج کو اپنی تلوار کی نوک پر رکھے ہوئے تھا۔ مقابل کی تعداد زیادہ تھی' سازو سامان بھی زیادہ تھا' کمک پر کمک دمشق سے آتی جارہی تھی' رسد کی کمی تھی نہ دام و درم کی۔ ابن زبیرؓ دن بدن حالات سے تنگ ہوتے جا رہے تھے۔

ایک روز ماں کے پاس آئے۔ ماں مسجد حرام میں بیٹھی تھیں۔ یاد خدا میں مصروف تھیں۔ بیٹے نے سلام کیا۔ ماں کا حال پوچھا' پھر اپنی مصیبتوں کا ذکر کیا۔ ماں نے کہا' بیٹا چاہتے کیا ہو؟ ابن زبیرؓ نے ادب سے کہا' اماں' کیا ان حالات میں صلح کر لینا مناسب نہیں؟ صلح و جنگ تو سیاست کے کھیل ہیں۔ ماں بے چاری' وہ بھی اتنی بوڑھی' ان پیچوں کو کیا جانے۔ جوڑ توڑ' حرص و ہوا سے یہ شخصیت بہت اونچی تھی۔ ماں کو تو اولاد کی تربیت سے غرض ہوتی ہے۔ ان کی سیرت و کردار پر اس کی نظر ہوتی ہے۔ بیٹا' بیٹا ہے' چاہے کسی عمر کو پہنچ جائے' کسی مرتبے پر فائز ہو۔ حضرت اسماءؓ بھی ماں تھیں۔ حق گو! حق پرست! استیعاب میں ہے' بولیں' بیٹے' مجھے تو ایک ہی بات معلوم ہے۔ عزت کے ساتھ کٹ جانا ذلت کے ساتھ تاج پہننے سے بہتر ہے۔ آگے تم جانو تمہارا کام۔ میری دعائیں تو ہر وقت یہی ہیں کہ ہر حال میں تمہاری ہمت بندھی رہے۔ حوصلہ کبھی گرنے نہ پائے۔ راہ کی مشکلات کا کیا ہے' آتی اور جاتی رہتی ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ابن زبیرؓ میدان کارزار میں ڈٹے رہے۔

لڑائی کی بھٹی سلگ رہی تھی۔ سازشوں کے جال بچھے ہوئے تھے۔ اپنے پرائے ہو رہے تھے۔ دوست دغا دے رہے تھے۔ ابن زبیرؓ نے سنا' ماں کی طبیعت خراب ہو گئی ہے' بیمار پڑ گئی ہیں۔ قدم بوسی کے لیے آئے۔ پوچھا' اماں کیا حال ہے؟ بولیں' جسم پھنکا جا رہا ہے' سخت تکلیف

ہے۔ ابنِ زبیرؓ پریشانیوں سے گزر رہے تھے۔ ان کے بارے میں سوچتے سوچتے بولے' اماں اس دنیا میں آرام کہاں ؟ اسد الغابہ میں ہے' حضرت اسماءؓ نے کہا' ہاں بیٹا' ٹھیک ہے' لیکن میں دن رات دعا کرتی ہوں کہ اچھی ہو جاؤں۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتی۔ میری تمنا یہ ہے کہ تم لڑ کر شہید ہو' اور میں صبر کروں۔ یا تم کامیاب ہو' اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ پھر میں مرجاؤں۔

ابن زبیرؓ ماں کے پاس سے لوٹے تو پھر میدان جنگ سے نہ لوٹے۔ یہ ان کی زندگی کا آخری معرکہ تھا۔ مردانہ وار لڑ کر تاجِ شہادت پہن لیا۔

ابنِ زبیرؓ کی لاش کو شہر کے بیچوں بیچ الٹا لٹکا دیا گیا۔ یہ اس شخص کی لاش تھی جو کل تک خلیفۂ وقت تھا۔ بیٹے کی شہادت کو تین دن گزرے' تو ماں بخار میں پھنکتی' کنیز کو ساتھ لے کر' بازار گئیں۔ اس جگہ پہنچیں جہاں بیٹے کی لاش ابھی تک لٹک رہی تھی۔ بے اختیار زبان سے نکلا' کہ --- شہسوار ابھی اترا نہیں! حجاج کی آدمی اسے بات بات کی اطلاع دیتے تھے۔ یہ اطلاع بھی اسے بھیج دی۔ اس نے فوراً آدمی دوڑائے۔ قاصد نے آکر اسماءؓ سے کہا' چلیے آپ کو امیر نے بلایا ہے۔ جواب ملا' میں نہیں جانا چاہتی۔ قاصد نے جواب پہنچا دیا۔ دوسرا قاصد بولا' سیدھی طرح چلیے ورنہ حکم ہے کہ زبردستی لایا جائے۔ ڈانٹ کر کہا' جاؤ' اسے بتا دو کہ میں کسی حال میں بھی نہیں جاؤں گی۔ سپاہیوں نے پیغام پہن دیا تو کچھ سوچ کر خود حجاج ان کے پاس چلا آیا' اور ماں سے بیٹے کے بارے میں بولا' تم نے اسے دیکھا کہ دشمنِ خدا کا میں نے کیا حال کیا؟ --- اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی --- حضرت اسماءؓ بپھر گئیں۔ صحیح مسلم میں ہے۔ انھوں نے کہا' تو نے اس کی دنیا بگاڑی' اس نے تیری عاقبت خراب کی۔

حجاج کو خیریت اسی میں نظر آئی کہ وہاں سے نکل جائے۔

لاش وہیں لٹکی رہی۔ کئی دنوں تک۔ پھر عبد الملک کا حکم آیا' اب اسے اتار پھینکو۔ حجاج نے گلی سڑی نعش کو یہودیوں کے قبرستان میں پھنکوا دیا۔

حضرت اسماءؓ نے سنا تو لاش وہاں سے منگوائی۔ ابنِ زبیرؓ کا جوڑ جوڑ الگ ہو رہا تھا۔ جہاں ہاتھ لگایا جاتا وہی حصہ ٹوٹ کر ہاتھ میں آجاتا۔ جوں توں کر کے ماں نے کفن دیا' جنازے کی نماز پڑھی' اور سپرد خاک کیا۔ لوگ کہتے --- بڑے حوصلے کی خاتون ہیں۔ انھیں دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ صابر و شاکر کسے کہتے ہیں' اپنے ہاتھوں اپنے سینے پر پتھر کی سل کس طرح رکھی جاتی ہے۔

اس واقعے کو ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت اسماءؓ اللہ کو پیاری ہوئیں۔

(زیرِ ترتیب تصنیف بزمِ الف لام میم کا ایک باب)